محاضرات حدیث (از ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم) کی اہم خصوصیات

(ایک تجزیاتی مطالعہ)

* ڈاکٹر تاج الدین ازہری

برصغیر میں غالباً پہلی مرتبہ مدراس کے علاقہ میں ساؤتھ انڈین مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے زیر اہتمام خالص علمی وفکری لیکچرز کا اہتمام ''خطبات'' کے نام سے ہوا۔ جس میں علامہ سلیمان ندوی اور علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہما جیسے اساطین ملت نے اپنی برسوں کی تحقیقات کو اپنے محاضرات کی صورت میں عوام کے سامنے رکھا۔ خطبات کے نام سے جب یہ فکری گفتگو شائع ہوئی تو لیل ونہار کی گردش نے ان کی افادیت سے کمی نہ آنے دی بلکہ ان سے استفادہ کا رجحان روز افزوں ہوتا رہا۔ اس علمی روایت کو آگے بڑھا کر ۱۹۸۰ء میں اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور نے دوبارہ تازہ کیا جہاں ڈاکٹر حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے پیرس سے تشریف لا کر بارہ لیکچرز دیئے اور انہیں خطبات بہاولپور کے نام سے شائع کیا گیا۔ ان کی افادیت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے اور یہ مختلف جگہوں سے بار بار شائع ہو رہے ہیں۔ (۱)

اسی طریقۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے اسلام آباد کے ادارے ''الھدیٰ انٹرنیشنل'' کی دعوت پر جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۷ اکتوبر سے ۱۹ اکتوبر ۲۰۰۳ء تک الھدیٰ کے وسیع ہال میں حدیث اور اس سے متعلقہ علوم کے بارے میں لیکچرز دیئے جنہیں بعد میں صوتی تسجیل سے صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے ڈاکٹر صاحب کی منظوری سے الفیصل ناشران لاہور نے پہلی بار ۲۰۰۴ء میں شائع کیا اور اب تک یہ محاضرات چھ بار شائع ہو چکے ہیں جس سے ان کی افادیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ان محاضرات کے علمی مرتبہ ومقام اور اہم خصوصیات کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ محاضر کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے کیونکہ محاضر کا علمی تجربہ، معرفتِ لغات، وسیع مطالعہ، انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ان کی نظر اور ان سے تعامل ہی اس کے محاضرات کو چار چاند لگاتے ہیں اور یہ سب کچھ ڈاکٹر غازی صاحب کو حاصل تھا۔ اس کے ساتھ ان کے عام فہم اندازِ گفتگو، حدیث رسول ﷺ سے دلی محبت، اس کی اشاعت کے جذبے، اس کے عالمانہ دفاع اور اس میدان میں مزید کام کے لیے لوگوں کو ابھارنے کے احساس نے ان محاضرات کی مقبولیت میں اضافہ کیا۔

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر وچیئرمین شعبہ حدیث، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی بیسویں صدی کے ان جلیل القدر اہلِ علم میں سے ایک تھے جنہیں قدرت نے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا تھا اور پھر انہیں اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو مستفید کرنے کے مواقع بھی عطا فرمائے جہاں محنت سے کام کر کے انہوں نے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ مرحوم کو مختلف زبانوں پر دسترس حاصل تھی جیسے اردو، عربی، فارسی، انگریزی اور فرانسیسی اور اس زبان دانی نے انہیں اپنے اقران میں منفرد مقام عطا کر دیا تھا چنانچہ اربابِ وقت نے ان کی اس معرفت سے فائدہ اٹھانے کے لیے ان کی مختلف اعلیٰ عہدوں پر تقرری کی جہاں پر انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو نہ صرف بخوبی نبھایا بلکہ ان اداروں کی شہرت میں مزید اضافہ کیا۔ آج دنیا ان کے علم و فضل اور گوناگوں خوبیوں کی نہ صرف کہ معترف ہے بلکہ اکثر کی زبان پر یہ ہے:

ایسا کہاں سے لاؤں تجھ سا کہیں جسے

یہاں ڈاکٹر صاحب کی زندگی کی مختصر سی جھلک پیش کی جاتی ہے اور پھر ان کے محاضرات کی اہم خصوصیات کا ذکر کیا جائے گا۔

مختصر حیات ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمۃ اللہ علیہ:

ڈاکٹر صاحب مرحوم ۱۸ ستمبر ۱۹۵۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد پاکستانی سفارت خانے سے ملازم کی حیثیت سے منسلک تھے۔

- ۱۹۵۸ء میں آپ نے قرآن کریم حفظ کیا۔
- ۱۹۶۶ء میں درسِ نظامی کی تکمیل کر کے سند حاصل کی۔
- ۱۹۶۶ء ہی میں عربی فاضل کا امتحان پاس کیا۔
- ۱۹۸۶ء میں منشی فاضل (فاضل فارسی) کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔
- ۱۹۶۹ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے عربی زبان میں ایم۔اے کیا۔
- ۱۹۸۸ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور کے اورینٹل کالج سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

یہ تھا ان کا تعلیمی مرحلہ جس میں تمام امتحان انہوں نے بہترین نمبر حاصل کر کے پاس کیے لیکن ۱۹۶۹ء ہی سے ادارہ تحقیقاتِ اسلامی پاکستان سے منسلک ہو کر انہوں نے اپنے کیریئر کا آغاز کر لیا تھا۔ اس کے بعد تمام امتحان سروس کے دوران پاس کیے جو ان کے انتہائی محنتی ہونے کی دلیل ہے۔ بات یہاں پر ختم نہیں ہو جاتی اسی دوران مرحوم ۱۹۸۱ء

سے ۱۹۸۷ء تک پہلی بار اور ۱۹۹۱ء سے ۱۹۹۳ء تک دوسری بار ادارہ تحقیقات کے عربی مجلّہ ''الدراسات الاسلامیہ'' کی ادارتی ذمہ داریاں سرانجام دیتے رہے اور ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۷ء تک اسی ادارے کے اردو مجلّے ''فکر ونظر'' کی ادارتی ذمہ داریاں بھی ان کے سپرد رہیں۔

۱۹۸۷ء میں انہیں فیصل مسجد اسلام آباد کا خطیب مقرر کیا گیا اور فیصل مسجد کی دارالحکومت میں مرکزی حیثیت سے کسی کو انکار نہیں اور عالمی سطح پر اس کا کیا مقام ہے یہ بھی محتاجِ بیان نہیں ہے اسی وجہ سے اس کا خطیب بننے کی تمنا کس کس دل میں موجزن نہیں ہوتی لیکن یہاں یہ کہنا کافی ہوگا کہ

یہ رتبہ انہی کا تھا جنہیں ملا مل گیا

- ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۴ء دعوۃ اکیڈمی کے ڈائریکٹر جنرل رہے۔
- ۱۹۹۱ء سے ۲۰۰۰ء تک شریعہ اکیڈمی کے ڈائریکٹر جنرل رہے۔
- ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۳ تک پہلی بار اور ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۰ء تک دوسری بار اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کے رکن رہے۔
- ۱۹۹۸ء سے ۱۹۹۹ء تک سپریم کورٹ پاکستان کے شریعت اپیلٹ بنچ کے ایڈہاک جج کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔
- ۱۹۹۹ء سے ۲۰۰۰ء تک پاکستان کی سیکیورٹی کونسل کے رکن رہے۔
- ۲۰۰۰ء سے ۲۰۰۲ء تک وفاقی وزیر برائے مذہبی امور رہے۔
- ۱۹۹۴ء سے ۲۰۰۴ء تک بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے نائب صدر رہے۔
- ۲۰۰۴ء سے ۲۰۰۶ء تک بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے صدر رہے۔
- ۲۰۰۷ء سے ۲۰۱۰ء تک فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز دوحہ قطر کے پروفیسر اور ایسوسی ایٹ ڈین رہے
- ۲۰۱۰ء میں انہیں وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد کا جج مقرر کیا گیا جہاں چند ماہ خدمات سرانجام دینے کے بعد ۲۶ ستمبر ۲۰۱۰ء کو اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔

اتنے اہم عہدوں پر رہتے ہوئے بھی مرحوم علمی کانفرنسوں میں شرکت کرتے اور یوں مرحوم نے ایک سو سے زائد مختلف کانفرنسوں میں شرکت کی اور اسلامی اور غیر اسلامی دنیا کے ۴۱ ممالک کا دورہ کیا۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اگرچہ ۶۰ سال اور کچھ دنوں کی زندگی پائی لیکن انہوں نے اسے بھرپور انداز میں گزارا۔ مختلف اعلیٰ عہدوں کی ذمہ داریوں، مختلف ممالک کے سفر اور کانفرنسوں میں شرکت کے باوجود وہ لکھنے سے غافل نہیں رہے اور جب لکھنا ممکن نہ ہوا تو انہوں نے لیکچرز دینے پر ہی اکتفا کیا اور یوں وہ اپنے پیچھے تیس سے زائد کتابیں اور مقالات بطور علمی ورثہ چھوڑ گئے جن میں بعض انگریزی، بعض عربی اور بعض اردو زبان میں لکھی گئی ہیں۔ میں یہاں ان کی اردو زبان کی طبع شدہ کتابوں کا تذکرہ مناسب سمجھتا ہوں۔

۱۔ ادب القاضی۔ یہ ۱۹۸۳ء میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد سے طبع ہوئی۔

۲۔ مسودہ قصاص ودیت: یہ ۱۹۸۶ء میں ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے طبع ہوئی۔

۳۔ احکام بلوغت: یہ ۱۹۸۷ء میں ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے طبع ہوئی۔

۴۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر: یہ ۱۹۹۲ء میں اسلام آباد سے طبع ہوئی۔

۵۔ اسلام کا قانون بین الممالک: یہ ۱۹۹۷ء میں بہاول پور سے پہلی بار طبع ہوئی اور اسے دوسری بار ۲۰۰۷ء میں اسلام آباد سے شائع کیا گیا۔

۶۔ محکمات عالم قرآنی: یہ ۲۰۰۲ء میں اسلام آباد سے طبع ہوئی۔

۷۔ قرآن ایک تعارف: یہ ۲۰۰۳ء میں اسلام آباد سے طبع ہوئی۔

۸۔ اصول فقہ: یہ ۲۰۰۴ء میں اسلام آباد سے طبع ہوئی۔

۹۔ قوائد فقہیہ: یہ ۲۰۰۴ء میں اسلام آباد سے طبع ہوئی۔

۱۰۔ محاضرات قرآن: یہ ۲۰۰۴ء میں لاہور سے طبع ہوئی۔

۱۱۔ محاضراتِ حدیث: یہ ۲۰۰۴ء میں لاہور سے طبع ہوئی۔

۱۲۔ محاضرات فقہ: یہ ۲۰۰۵ء میں لاہور سے طبع ہوئی۔

۱۳۔ تقنین شریعت: یہ ۲۰۰۵ء میں لاہور سے طبع ہوئی۔

۱۴۔ محاضرات سیرت: یہ ۲۰۰۷ء میں لاہور سے طبع ہوئی۔

۱۵۔ محاضرات شریعت: یہ ۲۰۰۹ء میں لاہور سے طبع ہوئی۔

۱۶۔ اسلامی شریعت اور عصر حاضر: یہ ۲۰۰۹ء میں اسلام آباد سے شائع ہوئی۔

محاضرات حدیث کی اہم خصوصیات:

''محاضراتِ حدیث'' حدیث اور اس سے متعلقہ علوم کا ایک بہترین گلدستہ ہے جس میں ڈاکٹر غازی مرحوم نے محاضرات دیتے وقت اس فن سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات دینے کی کوشش کی ہے اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی رہے ہیں۔ انہوں نے اس فن سے متعلق شبہات دور کرنے کی پوری کوشش کی ہے اور مخالفین کے اعتراضات کا ذکر کر کے ان کا مدلل رد کیا ہے۔ حدیث کی مختلف تعریفوں میں تطبیق دی ہے۔ اس طرح حدیث کی وہ تمام اصطلاحات جن میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں ان کو پیش کر کے اپنی دانست کے مطابق راجح رائے کی طرف اشارہ دیا ہے۔ حدیثی اصطلاحات کو اپنے منفرد انداز میں نہایت آسان تشریح کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جن آیات اور احادیث سے مخالفین حدیث وسنت استدلال کرتے ہیں ان کے درست مفہوم کو واضح انداز میں بیان کیا ہے تاکہ سامع اور بعد میں قاری ان کے دامِ فریب سے بچ رہے۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے یہ محاضرات مختصر نوٹس کی مدد سے زبانی دیئے تھے (۲) اور ان نوٹس کی تفصیل کے لیے اپنے حافظے پر اعتماد کیا تھا۔ مرحوم کثیر المطالعہ اور انتہائی مضبوط حافظہ کے مالک تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کو مشرق ومغرب میں لوگوں سے رابطے کا وسیع تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنے محاضرات میں مستشرقین پر تنقید بھی کی ہے اور ان کے اچھے کاموں کا اعتراف بھی کیا ہے۔ اپنے معاصرین اور ان کے اچھے کاموں کا جا بجا تذکرہ کیا ہے اور سامعین کو اعتدال پسندی کی تلقین بھی کی ہے اور انہیں حدیث کے میدان میں مزید کام کرنے کے لیے ابھارا ہے۔

محاضرات حدیث جہاں متخصصین حدیث کے لیے معلومات کا خزینہ ہے وہیں ایک عام قاری بھی اس سے اچھی طرح مستفید ہوسکتا ہے۔ یہ غازی صاحب مرحوم کے بارہ خطبات (لیکچرز) کا مجموعہ ہے جن کے عناوین حسبِ ذیل ہیں:

۱۔	پہلا خطبہ:	حدیث ایک تعارف
۲	دوسرا خطبہ:	علم حدیث کی ضرورت واہمیت
۳۔	تیسرا خطبہ:	حدیث اور سنت بطور مأخذ شریعت
۴۔	چوتھا خطبہ:	روایت حدیث اور اقسامِ حدیث
۵۔	پانچواں خطبہ:	علم اسناد ورجال

۶۔	چھٹا خطبہ:	جرح وتعدیل
۷۔	ساتواں خطبہ:	تدوینِ حدیث
۸۔	آٹھواں خطبہ:	رحلہ اور محدثین کی خدمات
۹۔	نواں خطبہ:	علومِ حدیث
۱۰۔	دسواں خطبہ:	کتبِ حدیث۔شروحِ حدیث
۱۱۔	گیارہواں خطبہ:	برِّصغیر میں علمِ حدیث
۱۲۔	بارہواں خطبہ:	علومِ حدیث دورِ جدید میں

محاضراتِ حدیث کے مطالعے سے اس کی درجِ ذیل خصوصیات نمایاں طور پر سامنے آتی ہیں۔ان خصوصیات کے ضمن میں ڈاکٹر غازی صاحب کے الفاظ ان کے وسیع مطالعہ،علم حدیث کے فنون پر دسترس اور علمی گہرائی کے عکاس ہیں۔

عام فہم انداز:

ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنی عام زندگی کی طرح اپنے لیکچرز میں بھی عام فہم انداز اختیار کرتے،عربی زبان کی مشکل عبارتوں کو اردو زبان میں عام فہم انداز میں بیان کرتے تاکہ سامعین آسانی سے سمجھ جائیں چنانچہ حدیث کے لغوی واصطلاحی معنوں کے بیان اور علمِ حدیث کی وضاحت کے لیے وہ یوں گویا ہوئے:

''لفظ حدیث جس کو اس خاص فن کی اصطلاح کے طور پر استعمال کیا گیا ہے،عربی زبان میں بہت سے معانی اور مطالب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔عربی زبان میں حدیث کے معنی گفتگو کے بھی ہیں،حدیث کے معنیٰ نئی بات کے بھی ہیں اور حدیث کے معنی کسی اہم اور قابلِ ذکر واقعہ کے بھی ہیں۔نئی چیز،نئی بات،اہم اور قابلِ ذکر واقعہ،کوئی گفتگو یا کوئی کلام اس کو عربی زبان میں حدیث کہتے ہیں۔''(۳)

''حدیث کی مختصر ترین اور جامع تعریف یہ ہے جو ایک بڑے محدث نے کی ہے وہ کہتے ہیں کہ "کل ما أُضیف الی النبی علیه الصلاة والسلام فهو حدیث" ہر وہ چیز جو رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے نسبت رکھتی ہے وہ حدیث ہے۔رسول اللہ ﷺ نے کون سی بات کیسے ارشاد فرمائی،حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے کوئی فعل کیسے فرمایا،آپ کا طرزِ عمل کیا تھا،آپ کی شخصیت،

ذات مبارکہ، ہر چیز جس کی نسبت حضور ﷺ کی ذات گرامی سے ہے وہ حدیث ہے۔'' (۴)

''علم حدیث ایک فنی اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد وہ تمام چیزیں یا وہ تمام امور ہوتے ہیں جن کا مقصد رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ گرامی، آپ کے افعال اور آپ کے احوال کی تحقیق کرنا ہے۔'' (۵)

۲۔ حدیث وسنت میں عموم وخصوص کا بیان:

اس بارے میں غازی صاحب مرحوم کا کہنا ہے:

''میرے خیال میں وہ رائے زیادہ درست ہے جس کے مطابق علمِ حدیث ایک عام لفظ ہے اس میں سنت سمیت وہ ساری چیزیں شامل ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی ذات سے منسوب ہیں۔ اس میں وہ چیز بھی ہے جو ثابت اور طے شدہ ہے جس کے بارے میں تمام امت کا اتفاق ہے کہ حضور سے اس کا انتساب درست ہے جس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں اور جس سے امت کے طرزِ عمل کی تشکیل ہوتی ہے اور وہ سنت ہے۔ جبکہ حدیث میں کچھ چیزیں ایسی بھی شامل سمجھی جاتی ہیں جو سنت میں شامل نہیں مثلاً ضعیف احادیث، محدثین نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے حضور سے اس کی نسبت کمزور ہے حدیث تو یہ بھی ہے کیونکہ اسے حدیث کہا گیا ہے اگرچہ ضعیف ہونے کی وجہ سے وہ سنت میں شامل نہیں اسی لیے حدیث عام ہے اور سنت خاص ہے۔'' (۶)

۳۔ وحی جلی اور خفی میں فرق کی وضاحت:

ان دونوں میں فرق کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے، ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گی، ازلی اور ابدی ہے۔ اس لیے اس کا کلام بھی ازلی اور ابدی ہے۔ قرآن مجید کلام قدیم ہے اور اگر وہ کلام قدیم ہے تو گویا اس کے سیاق وسباق میں حدیث رسول کو کلام حدیث یعنی نیا کلام قرار دے دیا گیا دونوں وحی الٰہی ہیں۔ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ ایک کلام قدیم ہے جو قدیم سے چلا آرہا ہے ایک کلامِ نو ہے جو رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد آپ کے زمانہ حیات میں آپ کے ذریعے انسانوں تک پہنچا اس لیے بھی علمِ حدیث کو حدیث کہا جاتا ہے''۔ (۷)

ایک اور جگہ اس کو یوں واضح کرتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ پر وحی دو طریقوں سے آتی تھی ایک وہ وحی ہوتی تھی جو وحی جلی کہلاتی ہے یعنی جس کے الفاظ جس کی عبارتیں، جس کے کلمات اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتے تھے اور جس میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی دخل نہیں تھا۔ یہ وہ وحی تھی جس کے الفاظ اور کلمات معجز ہیں، جن کا اسلوب، جن کا معیار، جن کی فصاحت و بلاغت معجزہ کی سطح تک پہنچی ہوئی ہے، یہ وحی قرآن مجید کہلاتی ہے۔ اس کے علاوہ جو وحی ہوتی تھی وہ متعین الفاظ میں نہیں ہوتی تھی وہ سنت ہے جس کے صرف معنی اور مفہوم حضور تک منتقل ہوئے یہ وحی بعض اوقات جبریل امین کے ذریعے سے نازل ہوئی۔ بعض اوقات کسی اور ذریعے سے بھی نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے خواب میں کوئی چیز دیکھی یا ویسے اللہ نے دل میں کوئی چیز ڈال دی، سنت حضور ﷺ تک پہنچانے کے لیے وحی خفی کی رہنمائی کے کئی طریقے تھے جس میں وہ طریقہ بھی شامل تھا جس طریقے پر قرآن مجید نازل ہوتا تھا اس کے علاوہ بھی کئی طریقے شامل تھے بہر حال یہ وحی خفی کہلاتی ہے''۔(۸)

۴۔ حدیث قدسی اور قرآن میں فروق کا بیان:

اس بارے میں ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ:

''احادیث قدسیہ اور قرآن مجید کے درمیان گیارہ بنیادی فرق ہیں۔

۱۔ قرآن مجید معجزہ ہے احادیث قدسیہ معجزہ نہیں۔

۲۔ قرآن مجید کی روایت بالمعنیٰ جائز نہیں ہے یہ حرام ہے، مگر حدیث قدسیہ کے بارے میں افضل یہی ہے کہ اصل الفاظ میں بیان کیا جائے لیکن روایت بالمعنیٰ حرام اور ناجائز نہیں ہے۔

۳۔ قرآن پاک اگر کہیں لکھا ہوا ہو تو بیشتر فقہاء کے نزدیک بے وضو اس کو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے البتہ حدیث قدسی لکھی ہوئی ہو تو بغیر وضو اس کو ہاتھ لگانا جائز ہے۔ اگرچہ ادب کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

۴۔ قرآن مجید کی تلاوت اس شخص کے لیے جائز نہیں ہے جس پر غسل فرض ہو لیکن حدیث قدسی اس حالت میں بھی پڑھ سکتا ہے اگرچہ ادب اور احترام کا تقاضا ہے کہ نہ پڑھے۔

۵۔ قرآن مجید کی نماز میں تلاوت ہوتی ہے حدیث قدسی کی نماز میں تلاوت نہیں ہوسکتی۔

۶۔ قرآن مجید کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جو شخص ایک حرف کی تلاوت کرے اس کو دس نیکیاں ملیں گی یہ خصوصیت قرآن پاک کی ہے جو حدیث قدسی کو حاصل نہیں، حدیث قدسی آپ پڑھیں تو اس میں اتنا اجر نہیں ہے جو قرآن پاک کی تلاوت میں ہے۔

۷۔ قرآن پاک وحی جلی ہے اور حدیث وحی خفی ہے۔

۸۔ قرآن پاک روح امین یا جبریل لے کر نازل ہوتے تھے جبکہ حدیث قدسی کسی بھی طریقے سے آسکتی تھی۔

۹۔ قرآن وحی متلو ہے جس کی تلاوت ہوتی ہے حدیث قدسی وحی متلو نہیں ہے۔

۱۰۔ قرآن مجید کے الفاظ متواتر ہیں ضروری نہیں کہ حدیث قدسی میں بھی متواتر ہوں۔

۱۱۔ قرآن پاک مصاحف میں لکھا ہوا ہے اور یکجا موجود ہے احادیث قدسیہ مصاحف میں نہیں ہیں اور کسی ایک سرکاری یا باضابطہ مجموعہ میں بھی یکجا نہیں ہیں۔(۹)

۵۔ حجیتِ سنت کی ضرورت:

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے حجیتِ سنت کو یوں بیان کیا ہے:

''حجیۃ السنۃ یعنی یہ کہ سنت کتاب اللہ کے ساتھ حجت ہے اور قرآن مجید کی شارح ہے اس پر فقہاء اسلام نے بڑی تفصیل کے ساتھ غور کیا ہے اور سنت کے کردار پر بات کی ہے۔

سنت اگر نہ ہو تو پھر قرآن پاک کے الفاظ کے کوئی معنی متعین نہیں کیے جاسکتے نہ لغت کی مدد سے متعین کیے جاسکتے ہیں اور نہ کسی اور ذریعے سے قرآن پاک میں اعتکاف کا تذکرہ ہے'' **وانتم عاکفون فی المساجد**''(۱۰) اعتکاف سے کیا مراد ہے؟ عاکف کس کو کہتے ہیں؟ قرآن پاک میں اس طرح کے درجنوں نہیں سینکڑوں احکام ہیں جن کی تعبیر وتشریح کسی کے لیے ممکن نہیں ہے اگر سنت کی تعبیر وتشریح ہمارے سامنے نہ ہو۔ اسی طرح قرآن پاک کی کچھ آیات میں کچھ الفاظ ہیں جن کے لیے مبہم کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے یعنی ان کی مراد واضح نہیں ہے سنت سے ان کی تفسیر ہو جاتی ہے کچھ آیات مجمل ہیں سنت سے ان کی تفصیل آجاتی ہے، کچھ

آیات ہیں جو مطلق اور عمومی انداز میں آئی ہیں سنت سے ان کی تقیید ہو جاتی ہے۔ سنت اس کو قید کر دیتی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے، کچھ الفاظ ہیں جو قرآن مجید میں عام استعمال ہوئے ہیں سنت ان کو خاص کر دیتی ہے کہ اس سے خاص مراد ہے اور اس سے باہر نہیں ہے، کچھ احکام ایسے ہیں جن کے لیے تشریح کی ضرورت ہوتی ہے کہ ان کو نافذ کیسے کیا جائے گا سنت سے ان احکام کی شرح ہو جاتی ہے، قرآن پاک میں کچھ احکام ہیں کہ سنت سے اس کے دائرے میں توسیع ہو جاتی ہے کہ اگرچہ اس کا دائرہ بظاہر یہاں تک معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا انطباق آگے بھی ہوگا، کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ قرآن میں ان کے متعلق ایک اصول آیا ہے لیکن اس اصول سے کون سے جزوی مسائل نکلتے ہیں ان کی مثالیں سنت نے دی ہیں۔ سنت کا یہ کام ہے کہ ان سب چیزوں کی وضاحت کرے"۔(۱۱)

(۶) سنت کے فوائد کا بیان:

سنت کے فوائد بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر غازی صاحب کہتے ہیں:

"سنت میں وحی الٰہی کی ایک عملی تشکیل فراہم کر دی گئی ہے۔ ایک جیتا جاگتا عملی نمونہ ہمارے سامنے رکھ دیا گیا ہے جس میں وحی الٰہی کے ایک ایک حکم، ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کی پوری نقشہ کشی کر دی ہے کہ اس پر عمل درآمد ایسے ہوگا۔ اب کسی لفظ کے بارے میں ابہام نہیں ہے کہ قرآن مجید میں کوئی لفظ کس لیے اختیار کیا گیا ہے؟ اور اس میں کیا کہا گیا ہے؟ اگر سنت کا یہ کارنامہ نہ ہوتا تو قرآن مجید کے اصول صرف نظری بیانات اور خوشگوار اعلانات ہوتے۔ قرآن مجید کے اعلانات بھی نعوذ باللہ مجرد اعلانات بن کر رہ جاتے ہیں جیسے تورات اور انجیل کے اعلانات محض لفظی بیانات ہو کر رہ گئے"۔(۱۲)

(۷) محدثین کی خدمات کا اعتراف:

محدثین کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر غازی صاحب لکھتے ہیں:

"علم حدیث کے بارے میں محدثین کرام نے جس باریک بینی اور دقت نظر سے کام لیا ہے، جتنی محنت، محبت، عقیدت اور کاوش سے علم حدیث کو آئندہ نسلوں تک پہنچایا گیا اور رسول اللہ ﷺ کے

ارشادات کو محفوظ کیا گیا وہ پوری انسانی تاریخ کا ایک منفرد، عجیب وغریب اور بے مثال کارنامہ ہے۔''(۱۳)

''کسی بھی چیز کو محفوظ رکھنے کے جتنے بھی طریقے ہو سکتے ہیں اور انسانی ذہن ودماغ میں آسکتے ہیں وہ سارے کے سارے سنت کو اور ارشادات رسول اللہ ﷺ کو محفوظ رکھنے کے لیے محدّثین نے اور امت مسلمہ نے اختیار کیے اور ان سب ممکنہ طریقوں سے محفوظ ہو کر علم حدیث مرتب ومنقح صورت میں ہم تک پہنچا ہے۔ دنیا کے کسی علم پر اتنے بڑے انسانی دماغوں اور اتنے غیر معمولی یادداشت رکھنے والے انسانوں نے مسلسل غور وخوض نہیں کیا جتنا علم حدیث پر غور وخوض ہوا ہے''۔(۱۴)

(۸) تدوین حدیث کے بارے میں شبہات کا رد:

تدوین کے بارے میں شبہات کا رد یوں کرتے ہیں:

''علم حدیث کی تدوین کے بارے میں جو شکوک وشبہات ظاہر کیے جاتے ہیں وہ بالکل بے بنیاد نہایت کمزور اور بڑے Fllmzy قسم کے ہیں۔ اگر یہ شبہات ناواقفیت پر مبنی ہیں تو ان سے کسی حد تک صرف نظر کیا جاسکتا ہے لیکن اگر یہ شبہات کسی بدنیتی پر مبنی ہیں اور اسلام کے بارے میں کسی بدگمانی کو پیدا کرنے کی کوشش کا ایک حصہ ہیں تو پھر یہ ایک جرم ہے۔ انسانی جرم بھی ہے، علمی جرم بھی ہے اور دینی اور مذہبی جرم بھی ہے۔(۱۵)

(۹) کتابت حدیث کے بارے میں منکرین حدیث کا رد:

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں:

''کتب حدیث کی جمع اور تدوین کا کام رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں ہی شروع ہو گیا تھا جس میں سے بعض مثالیں آپ کے سامنے عرض کر دیتا ہوں لیکن مثالیں دینے سے پہلے ایک مسئلہ کو صاف کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احادیث کو لکھنے سے منع فرمایا۔ اسی طرح بعض واقعات میں یہ بھی آتا ہے کہ خلفاء راشدین میں سیّدنا ابوبکر صدیق اور سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے پہلے احادیث کے مجموعے تیار کرائے یا مرتب

کرانے کا ارادہ ظاہر کیا اور بعد میں یا تو ارادہ بدل دیا یا اس تیار شدہ مجموعہ کو ضائع کر دیا۔ ان روایات کی بنیاد پر منکرین حدیث نے بہت کچھ حاشیہ آرائی کی ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چونکہ احادیث کو لکھنے سے منع کر دیا تھا اس لیے علمِ حدیث کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ نہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت کو واجب التعمیل قرار دیا ہے اور نہ قرآنِ مجید کو سمجھنے کے لیے سنت ضروری ہے۔ اگر سنت واجب التعمیل اور تدوین حدیث ضروری ہوتی تو رسول اللہ ﷺ احادیث کو اسی طرح لکھواتے جس طرح قرآن مجید کو لکھوایا۔ یہ بظاہر ایسی مضبوط دلیل معلوم ہوتی ہے کہ جو شخص اس کو پڑھتا ہے وہ متاثر ہو جاتا ہے لیکن یہ تصویر کے بہت سے پہلوؤں میں سے ایک چھوٹا سا رخ ہے۔ آپ نے ممانعت کیوں فرمائی؟ کن لوگوں کے لیے ممانعت فرمائی؟ کس زمانے میں ممانعت فرمائی؟ اس پر کوئی منکر حدیث اظہارِ خیال نہیں کرتا۔ اس طرح وہ احادیث بھی موجود ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ احادیث لکھنے کی اجازت دی۔ احادیث کو لکھوایا۔ اپنے حکم سے اپنے بعض ارشادات کو ضبطِ تحریر میں منتقل کروایا اور صحابہ کرامؓ کو تحریری طور پر منتقل کیا۔ کوئی منکر حدیث کبھی اس کا ذکر نہیں کرتا اس لیے کہ یہ ان کے نقطہ نظر کے خلاف ہے عدل وانصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ تصویر کے دونوں رخ دکھائے جائیں اور پھر دلیل سے ثابت کیا جائے کہ اصل بات کیا ہے'' (۱۶)

(۱۰) منکرین حدیث کی حقیقت کا بیان:

منکرین حدیث کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کی رائے کچھ یوں ہے:

''ہمارے منکرین حدیث میں بہت زیادہ اوریجنلٹی نہیں ہے وہ تمام باتیں مغربی لوگوں ہی کی دہراتے ہیں ہمارا کوئی منکر حدیث ایسا نہیں ہے جس نے کوئی نئی بات اپنی طرف سے نکالی ہو''۔

(۱۱) لتبیّن للنّاسِ مانزّل اِلیھم کے مفہوم کی وضاحت:

ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے:

''قرآن مجید میں تین چار مقامات پر قرآن کی تبیین کا فریضہ رسول اللہ ﷺ کے سپرد کیا گیا ہے ''لتبیّن للنّاسِ مانزّل اِلیھم'' (۱۷) تاکہ آپ وہ تمام چیزیں ان کے لیے بیان کر دیں جو ان

کے لیے نازل کی گئی ہیں۔یعنی قرانِ پاک کی آیات اور مطالب کا بیان کرنا۔ بیان سے مراد محض تلاوت آیات نہیں ہے بلکہ بیان کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے معانی ومطالب کو بیان کر دیا جائے۔ اس کے مقاصد کی تشریح کی جائے۔ اس میں جو سبق پنہاں ہیں اس کو روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا جائے۔ اس میں جہاں جہاں انسانی ذہن کی نارسائی کی وجہ سے الجھاؤ کا امکان ہوسکتا ہے اس ممکنہ الجھاؤ کو دور کیا جائے۔ جہاں جہاں غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے اس غلط فہمی کے راستوں کو بند کر دیا جائے یہ ساری چیزیں بیان وتبیین میں شامل ہیں''۔(۱۸)

(۱۲) اسنادِ حدیث کی عظمت وضرورت کا بیان:

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ:

'' کہنے والوں نے یہ کہا ''**الاسناد من الدین**''یعنی سند بیان کرنے کا عمل دین کا حصہ ہے۔ یہ دین کا حصہ قرار دے دیا گیا اس لیے کہ اسناد کے بغیر رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی تصدیق اور تحقیق مشکل تھی اور فقہ اسلامی کا اصول ہے ''**ما لا یتم به الواجب فهو الواجب**'' کہ جس چیز پر کسی چیز کا دارومدار ہو وہ چیز بھی واجب ہوجاتی ہے۔ کوئی چیز فی نفسہ واجب نہ ہو لیکن کسی اور واجب پر اس کے بغیر عمل درآمد ممکن نہ ہو تو وہ چیز بھی واجب ہوجائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر عمل درآمد فرض ہے اس لیے ان ارشادات کو جاننا بھی ضروری ہے اور جانا نہیں جاسکتا تھا جب تک کہ سند کا معاملہ صاف نہ ہو اس لیے اسناد کا عمل دین کا حصہ بن گیا ''**لو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء**'' یہ جملہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا ہے جو امیر المؤمنین فی الحدیث کہلاتے ہیں کہ اسناد دین کا حصہ ہے اگر اسناد کا عمل نہ ہوتا تو دین کے بارے میں جس کا جو جی چاہتا وہ کہہ دیا کرتا اور کوئی پوچھنے والا نہ ہوتا اس لیے اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے کوئی غلط بات منسوب نہ ہوجائے اسناد کے عمل کو لازم قرار دیا گیا اور یہ بات مسلمانوں کے علمی مزاج کا حصہ بن گئی کہ جو علمی بات کسی کے سامنے کہی جائے وہ پوری سند کے ساتھ کہی جائے۔ یہ روایت مسلمانوں کے علاوہ کسی قوم میں موجود نہیں بلا استثناء اور بلا خوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ سند کا تصور صرف اور صرف مسلمانوں کی روایت میں پایا جاتا ہے کسی اور قوم کی مذہبی یا غیر مذہبی روایت میں سند کا کوئی تصور نہیں۔

مسلمانوں کے ہاں نہ صرف علم حدیث بلکہ تمام علوم وفنون میں اسناد کی پابندی لازمی سمجھی گئی آپ تفسیر کی پرانی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیں، سیرت کی پرانی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیں حتیٰ کہ ادب، شعر، فصاحت، بلاغت، صرف، نحو اور لغت ان سب کی سندیں موجود ہیں''۔(۱۹)

(۱۳) روایت باللفظ اور روایت بالمعنیٰ کب اور کہاں؟

غازی صاحب کا کہنا ہے:

''رسول اللہ ﷺ جب صحابہ کرام کو بذات خود کوئی چیز بتاتے یا پڑھاتے یا یاد کروایا کرتے تھے تو اس بات کا اہتمام کرتے تھے کہ جو الفاظ آپ نے یاد کروائے ہوں صحابہ کرامؓ انہی الفاظ میں اس کو یاد کریں۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں اس کا التزام رہا اور رسول اللہ ﷺ کے قولی ارشادات تو تقریباً ۹۹ فیصد روایت باللفظ کے ساتھ منقول ہیں البتہ حضور کے اعمال، تقریرات یا افعال کا معاملہ ذرا مختلف ہے جن کو ہر صحابی نے اپنے انداز میں بیان کیا۔ جس صحابی نے جس طرح دیکھا اور جس طرح مناسب سمجھا بیان کر دیا پھر تابعین نے صحابہ کرامؓ کی اس روایت کو انہی کے الفاظ میں بیان کیا اور ہر صحابی کی روایت ان کے اپنے مقدس الفاظ کے ساتھ کتب حدیث میں موجود ہے۔

روایت بالمعنیٰ کا سوال تدوین کے سلسلے میں پیدا نہیں ہوا تھا۔ تدوین کی حد تک بخاری، مسلم، ترمذی اور باقی سب کتابوں میں جب روایتیں جمع کی گئیں تو جس طرح سے آئی تھیں اسی طرح سے لکھی گئیں روایت باللفظ ہی کے انداز میں جمع ہوئیں۔ سوال وہاں پیدا ہوا جہاں کسی مجلس درس یا مجلس وعظ یا تبلیغ دعوت کے کسی عمل میں کوئی حدیث بیان کرنے کی ضرورت پیش آئے تو کیا وہاں بھی روایت باللفظ کی پابندی ضروری ہے یا روایت بالمعنیٰ بھی ہو سکتی ہے۔ یہ سوال وقت گزرنے کے ساتھ اہمیت اختیار کرنے لگا چنانچہ علماء کرام کی اکثریت نے بعد کے سالوں میں تیسری، چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے سالوں میں کچھ شرائط کے ساتھ روایت بالمعنیٰ کی اجازت دے دی۔ اگر وہ حضرات روایت بالمعنیٰ کی یہ گنجائش پیدا نہ کرتے تو آج دنیائے اسلام کے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کے لیے حدیث رسول کا حوالہ دینا ناممکن ہو جاتا۔''(۲۰)

(۱۴) جرح وتعدیل اور حسن ظن دو الگ الگ چیزیں:

غازی صاحب کہتے ہیں:

''جرح وتعدیل کے بارے میں حسنِ ظن سے کام نہیں چلتا۔ محدثین کا کہنا ہے کہ قرآنِ پاک میں آیا ہے ''ان الظّن لا یغنی من الحق شیئا ''(۲۱) حسنِ ظن سے کام لو، سوئے ظن سے کام مت لو ''ان بعض الظن اثم''(۲۲)

ان اصولوں کا اطلاق علم حدیث پر نہیں ہوتا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا معاملہ ہے۔ یہ دین کی ثقاہت Authenticity کا معاملہ ہے۔ اس میں یہ خطرہ نہیں لیا جاسکتا کہ ہم خوش گمانی سے کسی کو باکردار نیکوکار اور راست باز سمجھ لیں اور محض خوش گمانی سے کام لے کر کسی کو سچا سمجھ لیں اور اس میں تو انتہائی تحقیق سے کام لینا پڑے گا۔ اس میں ذرہ برابر مداہنت یا کمزوری کی کوئی گنجائش نہیں، امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم کے مقدمہ میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے''۔(۲۳)

(۱۵) خبر واحد کا شرعی حکم:

غازی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ:

''خبر واحد کے بارے میں بڑی تفصیلی بحثیں ہیں کہ خبر صحیح بھی ہو اور خبر واحد بھی ہو تو اس کا حکم شریعت میں کیا ہے؟ فقہائے اسلام اور محدثین کے دور سے لے کر آج تک اس پر عمل درآمد ہوتا چلا آرہا ہے۔ بعض محدثین کا خیال یہ ہے کہ اگر خبر واحد صحیح ہے تو ہر حال میں واجب التعمیل ہے اور اس پر عمل درآمد کیا جائے گا۔ بعض فقہاء کا جن میں حضرت امام ابوحنیفہ بھی شامل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر خبر واحد طے شدہ سنت اور قیاس سے متعارض ہو تو قیاس اور طے شدہ سنت کو ترجیح دی جائے گی اور خبر واحد کا کوئی اور مفہوم قرار دیا جائے گا۔ اس پر ظاہری معنوں میں عمل نہیں کیا جائے گا۔ اس میں صرف یہی دو رائے نہیں بلکہ اور بھی آراء موجود ہیں اور انہی کی بنیاد پر فقہی مسالک وجود میں آئے۔ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ میں صدر اسلام سے فقہی مسالک جتنے بھی بنے وہ اکثر وبیشتر ۷۵ یا ۸۰ فیصد خبر واحد کے بارے میں اختلاف ہی کی بنیاد پر وجود میں آئے''(۲۴)

(۱۶) احادیث کی گنتی کے متعلق شبہ اور اس کا جواب:

غازی صاحب کہتے ہیں:

''یہاں ضمناً ایک اور بات بھی سن لیجیے آپ نے سنا ہوگا کہ امام بخاری نے چھ لاکھ احایث میں سے اپنی کتاب صحیح بخاری مرتب کی۔ امام احمد بن حنبل نے ساتھ لاکھ احادیث مرتب کیں۔ اس سے خیال پیدا ہوگا کہ صحیح بخاری میں تو کل دو ہزار اور کچھ سو احادیث یعنی چھبیس سو کے قریب احادیث ہیں تو بقیہ چار پانچ لاکھ احایث کہاں گئیں۔ منکرین حدیث اس بات کو بہت اچھالتے ہیں کہ دو ہزار حدیثیں لے کر باقی لاکھوں احادیث جھوٹی قرار دے کر پھینک دیا گیا یا امام احمد بن حنبل نے ساڑھے سات لاکھ میں سے تیس چالیس ہزار بیان کیں باقی سب جھوٹی تھیں یاد رکھیے یہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے یا تو منکرین حدیث علم حدیث سے واقف نہیں یا بدنیتی سے ایسا کہتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ اس کی اصل حقیقت کیا ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ جب کوئی محدّث یہ کہتا ہے کہ میرے پاس ایک لاکھ احادیث ہیں تو ایک لاکھ احادیث سے ایک لاکھ متن مراد نہیں ہوتے بلکہ ان کی مراد Variation ہوتی ہے کہ بیس آدمیوں کے پاس گئے۔ ان سے جا کر ایک روایت کی تحقیق کی اور حدیث کا متن سنا یوں یہ بیس حدیثیں ان کے پاس آ گئیں۔ اب وہ کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ سے بیس احادیث حاصل کیں۔ وہی ایک روایت بیس اور آدمیوں سے حاصل کی تو وہ کہیں گے کہ میں نے مزید بیس احادیث حاصل کیں۔ بیس یہ ہوگئیں بیس شعبہ کی ہوگئیں تو کل چالیس ہوگئیں حالانکہ وہ کم ہوں گی ممکن ہے کہ چار ہوں ممکن ہے پانچ ہوں۔ حضور کے بعض ارشادات ایسے ہیں کہ اگر ان کے سارے طرق اور ساری روایات کو جمع کیا جائے تو ان کی تعداد کئی کئی سو بنتی ہے۔ مشہور حدیث ہے'' **انما الاعمال بالنیات** ''(۲۵) اس کے سارے طرق کو ملا کر سات سو ساڑھے سات سو ہیں۔ ساڑھے سات سو طرق سے یہ روایت آئی ہے۔ اب محدث کہے گا کہ میرے پاس ساڑھے سات سو طرق ساڑھے سات سو احادیث ہیں لیکن اصل میں حدیث ایک ہی ہے''۔ (۲۶)

(۱۷) کتب حدیث کے طبقات سے متعلق مختلف آراء میں تطبیق:

غازی صاحب گویا ہیں:

''موطا امام مالک سے لے کر سنن کبریٰ بیہقی تک آج ہمارے پاس کتب حدیث کا جو ذخیرہ موجود ہے یہ سب کا سب ایک درجہ کی احادیث پر مشتمل نہیں ہے۔ ان میں مندرج احادیث کے درجات مختلف ہیں۔ درجات کے اعتبار سے، صحت اور قبول کے اعتبار سے علماء اسلام نے کتب حدیث کے پانچ درجے قرار دیئے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تین درجے قرار دیئے ہیں۔ بعض محدثین نے چار درجے قرار دیئے ہیں۔ چار درجے ہوں یا پانچ درجے ہوں یا تین درجے ہوں۔ اصل حقیقت کے اعتبار سے ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تین درجے قرار دیئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ درجہ اوّل میں وہ کتابیں ہیں جن میں تمام احادیث صحیح ہیں اور مستند ہیں۔ کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے جو صحت کے اعلیٰ ترین معیار سے ہٹی ہوئی ہو۔ اس درجہ کی کتابوں میں صرف مستند اور صحیح احادیث شامل ہیں وہ تقریباً تمام محدثین کے نزدیک اتفاق رائے سے تین کتابیں ہیں (موطا امام مالک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم) طبقہ دوم کی کتابیں شاہ ولی اللہ کی نظر میں چار ہیں جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، نسائی اور مسند احمد''۔ (۲۷)

(۱۸) کتب حدیث کی خصوصیات:

مرحوم غازی صاحب کی رائے میں ہر کتاب اپنی خصوصیات میں منفرد ہے۔ یہاں ان کے الفاظ میں ہر کتاب کی الگ الگ خصوصیات ذکر کی جاتی ہیں۔

مؤطا امام مالک:

روزمرہ کی زندگی میں انسان کو ذاتی، انفرادی اور اجتماعی معاملات میں جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے وہ سارے کے سارے معاملات موطا امام مالک میں موجود ہیں۔ اس میں جتنی بھی احادیث ہیں جو ایک ہزار کے لگ بھگ ہیں وہ ساری کی ساری صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہیں، محدثین نے تحقیق کر کے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ وہ سب کی سب صحیح اور مرفوع روایات ہیں ان میں سے کوئی بھی صحت کے اعلیٰ درجہ سے نیچے نہیں ہے۔ اس لیے صحیحین

سے پہلے کے زمانے میں جب صحیح بخاری اور صحیح مسلم مرتب نہیں ہوئی تھیں تو عام طور پر لوگوں کا کہنا تھا کہ موطا امام مالک :اصح کتب بعد کتاب اللہ ہے''۔(۲۸)

صحیح بخاری:

امام بخاری سے پہلے جتنے مجموعے کتب حدیث کے تھے باستثنا مسند امام احمد کے وہ اکثر وبیشتر امام بخاری نے اس کتاب میں سمو دیئے ہیں۔ امام بخاری نے کل احادیث جو اس میں لکھی ہیں ان کی تعداد دس ہزار سے کم ہے لیکن اس میں تکرار بھی شامل ہے۔ اس میں ایک حدیث کی مختلف روایات اور سندیں بھی شامل ہیں ان سب کو نکال کر جو احادیث بنتی ہیں وہ دو ہزار چھ سو کے قریب ہیں۔

امام بخاری کی اسی کتاب کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی غالبًا حدیث کی کسی کتاب کو یا کسی محدث کو اتنی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی جتنی امام بخاری کی کتاب کو حاصل ہوئی۔ کتاب کی ترتیب کے ضمن میں امام بخاری نے پہلے یہ کیا کہ اس کتاب کے ابواب کا ایک نقشہ مرتب کیا کہ اس کے ابواب کیا کیا ہوں گے۔ ان تمام ابواب کا نقشہ مرتب کرنے کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ مسجد نبوی میں گئے اور روضۂ رسول پر حاضری دی، وہاں دو رکعت نماز پڑھ کر انہوں نے اس کتاب کو لکھنے کا آغاز کیا اور سولہ سال تک اس کتاب کو لکھتے رہے اور احادیث کی چھان پھٹک کرتے رہے۔ امام بخاری نے جتنی احادیث نقل کی ہیں وہ سب کی سب صحیح لعینہ ہیں، اس میں صحیح لغیرہ بھی کوئی نہیں اکثر احادیث مستفیض ہیں۔ مستفیض صحیح لعینہ کی اس قسم کو کہتے ہیں جس کو ہر درجہ میں کم سے کم تین راویوں نے روایت کیا ہو، صحیح بخاری کو جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کی مثال امتِ مسلمہ کی تاریخ میں نہیں ملتی۔(۲۹)

صحیح مسلم:

صحیح بخاری کے بعد صحیح مسلم کا درجہ آتا ہے امام مسلم کے اساتذہ میں خود امام بخاری، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کے ایک براہ راست شاگرد حرملہ بن یحیی بھی شامل ہیں۔ امام مسلم کو دو بڑے محدثین سے براہِ راست اور بڑے فقیہ سے بالواسطہ کسبِ فیض کا موقع ملا۔ امام شافعی سے ان کے شاگرد کے ذریعے اور امام احمد سے براہِ راست۔ امام صاحب نے امام اسحاق بن راھویہ سے بھی براہِ راست کسبِ فیض کیا لیکن ان کے خاص اساتذہ قتیبہ بن سعید اور ابو عبداللہ بن القعنبی تھے۔ صحیح مسلم میں ان دونوں کی روایات کثرت سے ملیں گی۔(۳۰)

سنن ابی داؤد:

سنن ابی داؤد میں پانچ لاکھ احادیث میں سے چار ہزار آٹھ سو کا انتخاب کیا گیا ہے یہ احادیث صرف سنن اور احکام سے متعلق ہیں۔صحاح ستہ میں فقہی احادیث کا سب سے بڑا ماخذ یہی کتاب ہے۔صحاح ستہ کی کسی اور کتاب میں فقہی احادیث اتنی بڑی تعداد میں موجود نہیں ہیں۔اس میں تکرار برائے نام ہے۔کہیں کہیں کوئی حدیث دوبارہ نقل ہوگئی ہے ورنہ ایک حدیث دوبارہ نقل نہیں کی گئی ہے۔اس لیے چار ہزار آٹھ سو احادیث میں اکثر و بیشتر وہ ہیں جو ایک ہی بار بیان ہوئی ہیں۔ یہ کتاب جب سے لکھی گئی ہے ہمیشہ مقبول رہی ہے،علماء اور طلباء نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے۔(۳۱)

جامع ترمذی:

سنن ابی داؤد کے بعد جامع ترمذی کا درجہ آتا ہے۔امام ترمذی، امام بخاری اور امام مسلم دونوں کے براہِ راست شاگرد ہیں۔امام ابوداؤد کے بھی شاگرد ہیں۔قتیبہ بن سعید جو امام مسلم کے استاد ہیں وہ امام ترمذی کے بھی استاد ہیں۔ جامع ترمذی جامع ہے یعنی حدیث کے آٹھوں ابواب اس میں شامل ہیں اس میں عقائد، اخلاق، احکام، تفسیر، فضائل، فتن، اشراط قیامت، علاماتِ قیامت یہ سب موضوعات شامل ہیں اس لیے اس کا درجہ جامع کا ہے اور اس طرح وہ امام بخاری کی جامع کے برابر ہے۔صحاح ستہ میں امام بخاری اور ترمذی دونوں کی کتابیں جامع ہیں۔

جامع ترمذی کے اہم خصائص میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ حدیث کے درجہ کا تعین بھی کرتی ہے۔وہ پہلے حدیث بیان کرتے ہیں اور پھر اس کا درجہ بیان کرتے ہیں۔امام ترمذی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث سے جو احکام نکلتے ہیں ان احکام میں بقیہ محدثین اور فقہاء کی رائے کیا ہے۔ایک اہم بات یہ ہے کہ امام ترمذی ایک باب میں جو احادیث بیان کرتے ہیں وہ بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ''فی الباب عن فلان و فلان و فلان'' اس باب میں فلاں فلاں صحابہ کی احادیث بھی ہیں اور ان احادیث کو انہوں نے اپنی کتاب میں شامل نہیں کیا''۔(۳۲)

سنن نسائی:

سنن نسائی اس اعتبار سے بڑی ممتاز ہے کہ صحیحین کے بعد سب سے کم ضعیف حدیثیں اس میں ہیں۔صحیحین میں تو کوئی نہیں بقیہ دونوں کتابوں ابوداؤد اور ترمذی میں ضعاف کی تعداد سنن نسائی کی نسبت زیادہ ہے۔اس کے رجال یا راوی سنن کی بقیہ کتابوں کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہیں یعنی چار کتابوں ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی اور نسائی میں نسائی کے

رجال سب سے قوی ہیں۔ اس کے راوی سب کے سب مستند ہیں اور اس کی شرائط بخاری اور مسلم کی شرائط کے بہت قریب ہیں۔ امام نسائی کو علل الحدیث میں بڑی مہارت تھی انہوں نے علل الحدیث کی جا بجا نشاندہی کی ہے۔ امام ترمذی نے بھی علل کی نشاندہی کی ہے لیکن امام نسائی اس میں زیادہ نمایاں ہیں امام ترمذی کی طرح وہ اسماء اور کنی (کنیتوں) کا ذکر بھی کرتے ہیں اور انہوں نے غریب الحدث کی بھی شرح کی ہے گویا کہ یہ وہ کتاب ہے جو ابوداؤد اور ترمذی دونوں کی خصوصیات اپنے رکھتی ہے اور ایک اعتبار سے صحیحین کے بعد اس کا درجہ آتا ہے''۔ (۳۳)

سنن ابن ماجہ:

سنن ابن ماجہ میں حدیث کی بقیہ کتابوں کے مقابلے میں ضعیف احادیث زیادہ ہیں ان کی ٹھیک ٹھیک تعداد کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا دشوار ہے کچھ کا خیال ہے کہ ان کی تعداد چونتیس ہے، کچھ کا خیال ہے کہ ایک سو کے قریب ہے کچھ کا خیال ہے کہ ایک سو بتیس یا ایک سو پینتیس کے قریب ہے۔ پھر ضعیف کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا ویسے بھی مشکل ہوتا ہے۔ ایک محدث کی رائے میں ایک حدیث ضعیف ہے دوسرے کی رائے میں وہ ضعیف نہیں ہے یا اتنی ضعیف نہیں ہے پھر ضعاف کے بھی مختلف درجات ہیں بہرحال اس کتاب میں ضعاف کی تعداد زیادہ ہے'' (۳۴)

(۱۹) برصغیر میں علمِ حدیث کی خصوصیات:

غازی صاحب مرحوم کے بقول ''برصغیر کے علماء کرام نے اس دور میں علمِ حدیث کا پرچم بلند کیا جب دنیائے اسلام اپنے مختلف مسائل میں الجھی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی علمی اور تہذیبی روایتیں ایک ایک کر کے ختم ہو رہی تھیں۔ مسلمانوں کے تعلیمی ادارے ایک ایک کر کے بند کیے جا رہے تھے۔ اس لیے جہاں اور بہت سی روایات ختم ہو رہی تھیں وہاں علمِ حدیث کی روایت بھی کمزور پڑ رہی تھی۔ اس دور میں اہلِ علم نے اس روایت کا پرچم تھاما اور اس کو اس طرح زندہ کر دیا کہ اس کے اثرات پوری دنیا میں ہر جگہ محسوس کیے گئے۔

برصغیر میں علمِ حدیث کی تاریخ کا موضوعی مطالعہ Objective Study کم ہوا ہے یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ برصغیر کے صفِ اوّل کے اہلِ علم کو ایسے اہلِ علم کو، جن کے علمی کارناموں کو عرب دنیا کے صفِ اوّل کے اہلِ علم و تحقیق نے اور عجمی دنیا کے اکابر علماء نے تسلیم کیا ہے، ہمارے ہاں مسلکی تقسیم کا نشانہ بنا دیا گیا۔ میں نے ایسے بہت سے حضرات کو دیکھا ہے جو صفِ اول کے بعض محدثین کے کام سے اس لیے واقف نہیں کہ اُن محدثین کا تعلق اس

مسلک سے نہیں تھا جس مسلک کا علمبردار یہ حضرات خود کو کہتے تھے۔ اس مسلکیت نے مسلمانوں کو علم کی ایک بہت بڑی دولت سے محروم کیا ہوا ہے۔ اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک موضوعی انداز میں ان تمام محدثین کے علمی کام کا جائزہ لیا جائے''۔(۳۵)

(۲۰) شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا کارنامہ:

غازی صاحب مرحوم کی نظر میں:

''شاہ صاحب نے علم حدیث کی تاریخ کا ایک قابلِ ذکر کام یہ کیا ہے کہ حدیث نبوی کے پورے ذخائر کو جمع کر کے اور ان کا مطالعہ کر کے ان میں جو اسرار دین اور شریعت کے بنیادی اصول بیان ہوئے ہیں ان کو اس طرح اجاگر کیا کہ پورے علوم حدیث اور علوم نبوت کی روح پڑھنے والے کے سامنے آجاتی ہے یہ کارنامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی جس کتاب میں ہے اس کا نام حجۃ اللہ البالغہ ہے''۔ (۳۶)

''شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں ایک بات کہ امت مسلمہ کو ایک پلیٹ فارم پر کیسے جمع کیا جائے اور لوگوں میں عدم وحدت کے رجحان کو کیسے کم کیا جائے۔ یہ ان کی اوّلین کوشش ہوا کرتی تھی۔ ان کی دوسری کوشش یہ ہوا کرتی تھی کہ اختلافات کو اور مسلمانوں میں جو متنوع آراء ہیں ان کو حدیث نبوی اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سے کیسے ہم آہنگ کیا جائے اور کس طرح سے علمِ حدیث کو عام کیا جائے کہ اختلافات حدود کے اندر آجائیں''۔(۳۷)

(۲۱) اعتدال کی تعلیم:

شب برات کے متعلق ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا:

''بھئی لوگوں کو شب برأت کرنے دیجیے، اگر لوگ آپ سے پوچھیں تو آپ صرف اتنا بتا دیجیے کہ شب برأت کی کوئی باقاعدہ عبادت صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ لٹھ لے کر پیچھے پڑ جانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جا کر ریڈیو اور ٹی۔ وی والوں سے لڑیں۔ یہ صحیح نہیں ہے اس سے مسائل بگڑتے ہیں اور خیالات میں شدت پیدا ہوتی ہے۔ نرمی سے کام لیں، سختی وہاں کرنی چاہیے جہاں واضح طور پر کوئی چیز دین میں حرام اور ممنوع ہو اور منکر کی حیثیت رکھتی ہو جہاں اختلافی چیز

ہو وہاں شدت نہیں کرنی چاہیے۔ صحابہ کرامؓ میں بھی اختلاف تھا ایک کے نزدیک ایک عمل سنت تھا تو دوسرے کے نزدیک دوسرا عمل سنت تھا لیکن وہ ایک دوسرے کے خلاف لٹھ لے کر نہیں نکلے تو ہم کیوں نکلیں''۔(۳۸)

(۲۲) تصحیح مفاہیم:

ایک سوال کیا گیا کہ ''حضرت ابو ہریرہؓ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے وہ بتایا کہ اگر اس وقت باہر نکل کر لوگوں کے سامنے سچ کہہ دوں تو میرا قتل مسلمانوں پر واجب ہو جاتا اور وہ مجھے قتل کر دیتے'' غازی صاحب نے اس کی یوں تصحیح فرمائی:

''یہ نہیں کہا کہ میرا قتل واجب ہو جاتا وہ کہتے ہیں کہ بہت سی چیزیں میرے علم میں ایسی ہیں کہ اگر میں ان کو کھلم کھلا بیان کروں تو شاید لوگ مجھے قتل کر دیں وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب علم حدیث یا علمِ دین بیان کیا جائے تو تدریج اور ترتیب کے ساتھ بیان کیا جائے۔ اس طرح بیان نہ کیا جائے کہ سننے والے پہلے ہی مرحلے میں اس کا انکار کر دیں۔ آپ پہلے اسلام کے عقائد، پھر اخلاق، پھر تربیت اور تعلیم اور پھر احکام بتائیں یہ وہی چیز ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمائی ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ پہلے ہی دن یہ کہتے کہ شراب نوشی چھوڑ دو تو شاید عرب میں بہت کم لوگ آپ کی بات مانتے۔ آپ نے تدریج کے ساتھ پہلے ان کو مکارمِ اخلاق سکھائے، پھر نماز سکھائی، پھر ایک ایک کر کے باقی چیزیں سکھائیں آخر میں کہا کہ شراب نوشی اور فلاں فلاں قسم کے گناہ چھوڑ دو تو لوگوں نے چھوڑ دیئے کیونکہ تربیت ہو چکی تھی یہی بات ابو ہریرہؓ نے کہی کہ میں ایسا علم رکھتا ہوں کہ اگر بیان کروں تو شاید لوگ مجھے قتل کر دیں۔ اس لیے کہ ان کی وہ تربیت نہیں ہوئی اور شاید وہ ان کو سننے کے لیے تیار نہ ہوں۔ اس کے علاوہ اس کا کوئی اور مطلب نہیں اور منکرینِ حدیث اس سے جو مطلب نکالنا چاہتے ہیں وہ درست نہیں ہے۔''(۳۹)

(۲۳) نئے پہلوؤں پر حدیثی کام کی ترغیب:

ان کا کہنا ہے کہ ''تہذیب وتمدن کی اساس کس بنیاد پر بنتی ہے۔ قوموں کا عروج وزوال کیسے ہوتا ہے؟ سابقہ محدثین نے اپنی کتابیں مرتب کرتے وقت اپنے سامنے یہ موضوعات نہیں رکھے۔ انہوں نے اپنے زمانہ اور اپنی

ضروریات کے لحاظ سے عنوانات تجویز کیے اور موضوعات رکھے لیکن سارے موضوعات کو اسی طرح سے Re-arrange کریں تو نئے نئے علوم فنون سامنے آئیں گے۔ اس لیے نئے انداز سے علمِ حدیث کے مجموعے مرتب کرنے کی ضرورت ہے جن میں آج کے دور کے تہذیبی وتمدنی، سیاسی، معاشی، اجتماعی، اخلاقی اور روحانی ضروریات کے مطابق ابواب کی ترتیب اور تقسیم کی جائے اور یوں مجموعے مرتب کیے جائیں۔ مأخذ یہی قدیم کتابیں اور یہی ذخائر رہیں گے جو ائمہ اسلام نے ۴۵۸ تک مرتب کر کے ہمیں دے دیئے تھے۔ پانچویں صدی ہجری تک جو مجموعے مرتب ہوگئے وہ تو بنیادی ماخذ ہیں وہ تو ایک طرح سے Power Houses ہیں جہاں سے آپ کو Conection ملتا رہے گا لیکن کنکشن سے آپ نئی نئی مشینیں چلائیں، نئے نئے کام کریں، نئے نئے انداز سے روشنی پیدا کریں، نئے نئے راستے روشن کریں یہ کام ہمیشہ ہوتا رہے گا اور وہ پاور ہاؤس اپنی جگہ موجود رہیں گے۔ (۴۰)

حواشی وحوالہ جات

(۱) ششماہی معارفِ اسلامی (اسلام آباد) جلد۲ شمارہ ۲ جلد۳ شمارہ ۱ جولائی ۲۰۰۳ء تا جون ۲۰۰۴ء ص ۳۶۷ مقالہ ''خطباتِ بہاول پور''

(۲) غازی، محمود احمد غازی ڈاکٹر، محاضرات حدیث صفحہ ۱۲، الفیصل ناشران لاہور، اشاعت ششم، مارچ ۲۰۱۰ء

(۳) محاضراتِ حدیث صفحہ ۱۷

(۴) ایضاً صفحہ ۲۰

(۵) ایضاً صفحہ ۱۹

(۶) ایضاً صفحہ ۲۴، ۴۳

(۷) ایضاً صفحہ ۱۸

(۸) ایضاً صفحہ ۱۰۲

(۹) ایضاً صفحہ ۱۰۴ تا ۱۰۶ سے اختصار کیا گیا

(۱۰) سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۷

(۱۱) محاضرات حدیث صفحہ ۱۲۱

(۱۲) ایضاً صفحہ ۵۸

(۱۳) ایضاً صفحہ ۲۵۷

(۱۴) ایضاً صفحہ ۳۲

(۱۵) ایضاً صفحہ ۲۵۷

(۱۶) ایضاً صفحہ ۲۶۷، ۲۶۸

(۱۷) سورۃ النحل آیت ۴۴

(۱۸) محاضرات حدیث صفحہ ۱۰۱

(۱۹) ایضاً صفحہ ۲۱۷، ۲۱۸

(۲۰) ایضاً صفحہ ۱۸۹ تا ۱۹۲ سے اختصار کیا گیا

(۲۱) سورۃ النجم آیت ۲۸

(۲۲) سورۃ الحجرات آیت ۱۲

(۲۳) محاضرات حدیث صفحہ ۲۳۷، ۲۳۸

(۲۴) ایضاً صفحہ ۱۵۹، ۱۶۰

(۲۵) البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الوحی باب کیف بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ صفحہ 1، دار السلام، ریاض، سعودی عرب، طبعہ ثانیہ ذوالحجہ ۱۴۱۹ مارچ ۱۹۹۹ء

(۲۶) ایضاً صفحہ ۲۴۰

(۲۷) ایضاً صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸، اور ۱۱۰

(۲۸) ایضاً صفحہ ۳۷۴، ۳۷۵

(۲۹) ایضاً صفحہ ۳۸۷ تا ۳۹۰ سے اختصار کیا گیا

(۳۰) ایضاً صفحہ ۳۹۱، ۳۹۲

(۳۱) ایضاً صفحہ ۳۹۲

(۳۲) ایضاً صفحہ ۳۹۴، ۳۹۵

(۳۳) ایضاً صفحہ ۳۹۸، ۳۹۹

(۳۴) ایضاً صفحہ ۴۰۰

(۳۵) ایضاً صفحہ ۴۱۳، ۴۱۴

(۳۶) ایضاً صفحہ ۴۲۵، ۴۲۶

(۳۷) ایضاً صفحہ ۴۳۶

(۳۸) ایضاً صفحہ ۲۵۲

(۳۹) ایضاً صفحہ ۳۱۹، ۳۲۰

(۴۰) ایضاً صفحہ ۴۵۷، ۴۵۸